نظرات

ایک بے یقینی اور شورشوں سے بھرپور فضا میں جب ہمارے نئے وزیرِ اعظم راجیو گاندھی نے ملک کی قیادت کی ذمہ داری سنبھال کر، قوم سے امن وامان قائم رکھنے کی اپیل کے ساتھ پنجاب اور آسام جیسے پرانے، پیچیدہ اور خوفناک مسائل کو حل کرنے کا عہد کیا تھا تو بہت کم لوگوں کو توقع تھی کہ وہ ان زبردست مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے جن کے اندر ماہ و سال کی گردشوں کے دوران، کتنی ہی نئی پیچیدگیوں نے شامل ہوکر، انھیں اور زیادہ دانش طلب اور بحرانی مسائل میں تبدیل کر دیا تھا لیکن ۱۹۸۴ء کے پارلیمانی الیکشن میں غیر معمولی اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوکر (جسے بجا طور پر مسز گاندھی کے مظلومانہ اور بیدردانہ قتل کا ملک گیر ردِ عمل قرار دیا گیا تھا) انھوں نے جس تیزی کے ساتھ بڑے مسائل کو حل کرنے کی جد وجہد شروع کی، اور جس حیرت انگیز طریقہ سے وہ پنجاب اور آسام کے مسائل کو حل کرنے اور گجرات کی شورش کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے، اس کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کو ان کی اہلیتوں اور خداداد صلاحیتوں کا دل کھول کر اعتراف کرنا پڑا، اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ان کی ذات اور ان کی شخصیت کے ساتھ مستقبل کی نئی امیدیں وابستہ کی جانے لگیں۔ اور انھیں ایک ایسا ابھرتا ہوا لیڈر تسلیم کرنے کا رجحان ساری دنیا میں عام ہونے لگا، جو اپنے ملک کے علاوہ عالمی امن، اور بین الاقوامی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔

وزیرِ اعظم راجیو گاندھی نے اپنے ایک سالہ عہدِ اقتدار میں جن تین مسائل کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے، وہ ہیں، ہندوستان کی صنعتی اور تعلیمی جدید کاری پرانے تعلیمی نظام کی جگہ نئے اصلاحی اور روزگار سے وابستہ نظام تعلیم کی ترویج اور جمہوری اصولوں کے پورے احترام کے ساتھ صاف ستھرے انتظامیہ کی تشکیل۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

کے پرانے اصول کے مطابق اُنھوں نے اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی اپنے طرزِ حکومت کو پرانے حکومتی طرز سے الگ اور منفرد بنانے کی کوشش کا آغاز کر دیا تھا، اور اس سلسلے میں انھوں نے متحدہ قومیت اور رنگا رنگ تہذیب کے اس پرانے موقف اور نظریہ کو نئے سرے سے پروان چڑھانے کا تاثر اوّل روز سے دینا شروع کیا تھا جس کی بدولت آزادی کے پہلے کی سیاست اور آزادی کی جدوجہد میں وہ آب و تاب اور قوت پیدا ہوئی تھی جس نے دُنیا کی سب سے زیادہ وسیع اور طاقتور برطانوی حکومت کو ہندوستانی قومیت کے سامنے بالآخر جھکنے اور اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن جو ایک طویل مدت کی غفلت اور لاپروائی کی بدولت اس حد تک گرد آلود بلکہ روپوش ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا کہ اس کی موجودگی کا احساس تک سماج اور حکومت کے دائرۂ فکر و عمل سے خارج ہو چکا تھا۔

راجیو گاندھی نے منصبِ اقتدار پر آتے ہی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، ملی جلی تہذیب کے فروغ، ملک کی جدید کاری کے لئے روشن خیالی کی ضرورت، اور ہندوستان کو اکیسویں صدی کی دُنیا کے جدید سائنسی دور کے دوش بدوش چلانے کی خواہش پر جس طرح زور دینا شروع کیا تھا اور نصاب تعلیم سے متحدہ قومیت کے نظریہ کو کمزور کرنے والے عناصر کو خارج کرنے کی جیسی تاکید شروع کی تھی اس کی بدولت، جہاں پورے ہندوستان میں جوش و خروش کی ایک نئی فضا پیدا ہوئی وہاں اقلیتوں کے دلوں میں بھی نئی اُمیدوں کے چراغ روشن ہوئے، اور انھیں توقع پیدا ہوئی کہ وہ ہندوستانی سماج

اپنے کھوئے ہوئے باعزت مقام کو نئے قومی لیڈر کی قیادت کے تحفے کے طور پر حاصل کرلیں گی۔ اور انھیں بھی آزادی کے ۳۸ برسوں کے بعد پہلی بار کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقع مل سکے گا اور جارحانہ تعصب، امتیازی سلوک آئے دن کے خونریز فرقہ وارانہ فسادات، سماجی بے انصافی اور استحصال کے اس اعصاب شکن دباؤ سے نجات ملے گی جس نے کروڑوں انسانوں پر مشتمل ایک فرقہ ـــ بلکہ ہندوستان کی دوسری بڑی اکثریت کی زندگی کو بے کیف اور غمگین بناکر رکھ دیا ہے۔ لیکن اسی ایک برس میں جو مسلمانوں کے لئے نئی امیدوں اور نئی توقعات کا پیغام لے کر آیا تھا، قرآن کو خلافِ قانون قرار دینے کے لئے عدالتی چارہ جوئی، مسلم پرسنل لا کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے، اور رام وکرشن جنم بھومی کو آزاد کرانے کی تحریک کے احیار کی صورت میں ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے اقلیت کے دلوں میں پیدا ہونے والی امنگ اور توقعات کی کلیوں کو کھلنے سے پہلے مرجھا دینے کے اسباب پیدا کردئے بلکہ ــ واقعہ یہ ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خوف، تشویش اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ مستقبل میں ان کی تشویش و اضطراب کی یہ صورت ختم ہوگی یا کوئی ایسی خوفناک صورت اختیار کرلے گی جو ملک اور قوم کے لئے ناخوشگواری اور بدنصیبی کا ایک نیا دور پیدا کرنے کی محرک بن جائے گی۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے نوجوان وزیرِ اعظم کو اس ملک گیر اضطراب اور اس ہمہ گیر صدمہ کی شدت اور اس ناقابلِ برداشت اذیت کا پورا احساس ہے یا نہیں جس نے مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر مسلمانوں کو اجتماعی طور پر اس طرح دہلاکر رکھ دیا ہے کہ وہ اپنی بے حسی اور مایوسی کے خول کو توڑ کر اپنے غم وغصہ اور درد و اذیت کے اظہار کے لئے بے محابا سڑکوں پر نکل آئے ہیں، اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور مذہبی آزادی کے دستوری حق کی پاسداری کے لئے ان کی حکومت سے ایسی یقین دہانی کا مطالبہ کررہے ہیں جو فی الواقع ان کے ذہن و دماغ سے اس بے اطمینانی اور تشویش کو پورے طور پر ختم کرسکے جس نے مسلسل دل آزار واقعات سے بجا طور پر ان کے ذہن و دماغ

کو پراگندہ اور پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ وزیرِ اعظم راجیو گاندھی، ہندوستان کی جدید کاری اور صنعتی ترقی کے لئے ساز گار ماحول بنانے کے اس پروگرام کو یکسر بے معنی اور ناکام بنانے والے ان محرکات پر غور کریں اور اس صورتِ حال کو سنبھالنے کی طرف فوری توجہ کریں، جو تیزی کے ساتھ سنگین اور خطرناک بنتی جارہی ہے، انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آٹھ دس کروڑ انسانوں پر مشتمل مسلمانوں کی آبادی اگر اپنے مذہب اور اپنے عقائد کو فی الواقعہ خطرے میں سمجھ کر، مایوسی کے عالم میں گرفتار ہو جائے تو اس کے نتائج کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور ایک ایسے ملک میں، جہاں خود ان کے بقول، مذہب، سماجی اور معاشرتی زندگی کا غالب عنصر ہے، مذہبی آزادی کے مسدود اور ہر فرقہ اور ہر کمیونٹی کے تحفظ کی دستوری ضمانت کے منسوخ ہونے کا تصور کس طرح کے اثرات پیدا کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں نہ تو اس دعوے کو دہرانے اور اس کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے کہ مسجدوں اور عبادت گاہوں پر جبری قبضہ کی مہم اور رام و کرشن کے نام پر سینکڑوں سال پرانے تنازعہ کو تازہ کرنے کی کوشش کے سامنے ہندوستان کو اکیسویں صدی میں لے جانے کے بجائے، ہزاروں سال پیچھے لوٹا دینے کا کھلا مقصد ہے، اور مسلم سماج کو نئے تقاضوں اور نئے زمانہ کا ہم آہنگ بنانے کی خواہش کے تحت مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے اقدامات، دستورِ ہند کی تحفظاتی دفعات اور جمہوری نظام کے بنیادی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کے سوا کسی دوسرے نام سے یاد نہیں کیے جا سکتے۔ سب سے بڑی اور بنیادی حقیقت جس کو دل آزار طریقہ سے نظر انداز کیا جارہا ہے، وہ یہ ہے کہ سماج کے کسی طبقے، اور قومیت کے کسی حصے، اور کثیر القومیتی ملک کے کسی فرقہ پر اصلاحات بزورِ شمشیر مسلط نہیں کی جا سکتیں، نہ ہی قانون اور حکومت کی قوت اور جبر کے ذریعہ اسے اس کی مرضی کے خلاف راستے پر چلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہماری طرح وزیر اعظم راجیو گاندھی بھی نہ چاہیں گے کہ مسلمانوں میں نئے بھنڈراں والے پیدا ہوں اور ایک ایسی قوم کو جو اپنے مذہب کے ساتھ پورے طور پر وابستہ رہ کر پُر امن زندگی گذارنا چاہتی ہے، مکمل مایوسی اور ذہنی پریشانی کی ایسی حالت کی طرف دھکیل کر پہنچایا جائے کہ وہ ہیجان اور اشتعال کے جذبات سے بے قابو ہو کر چل پڑنے پر مجبور ہو جائے، اور کسی ملک اور قوم کے لئے یہ بات قابلِ فخر اور قابلِ اطمینان نہیں ہو سکتی کہ پوری قوم تو اکیسویں صدی کی سائنٹفک اور صنعتی ترقی کی روشنی کی طرف گامزن ہو اور قوم کے ایک حصے کو گیارہویں اور بارہویں صدی کے اندھیروں کی طرف ہانکنے کی کھلی مہم ترقی پسندی اور اصلاح کے نام پر عدالتوں اور سیاسی تحریکوں کے ذریعہ چلائی جائے۔ اس سلسلہ میں تاریخ کے اس سبق کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح کی کوششیں کامیاب تو کبھی نہیں ہوئیں، تباہیوں کی طرف قوموں کو لے جانے کا سبب ہمیشہ بنتی رہی ہیں۔

منارِ صدا

نئی پیشکش

اور مفکر ملت علامہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رح کی (آخری یادگار) اس کتاب کے مرتب پروفیسر ڈاکٹر عنوان چشتی۔ عمدہ طباعت اور ۲۷۸ صفحات پر مشتمل۔ یہ کتاب خوبصورت اور دل کش جلد کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس آخری یادگار کا ایک مرتبہ مطالعہ ضرور فرمائیں اور اس سے استفادہ حاصل کریں۔ بڑی مقدار میں اس پتے پر آرڈر فوراً بھیجیں۔

قیمت مجلد عمدہ ریگزین ۳۵ روپے

منیجر ندوۃ المصنفین۔ اُردو بازار۔ جامع مسجد دہلی